اسلامی قانون معیشت

اسکی روح اور اسکے اصول

(از افادات حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی)

ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ ابواب ابتغاء الرزق

جب کسی جگہ انسانوں کی کثیر تعداد سکونت پذیر ہو تو دوسرے تمدنی معاملات کے ساتھ ان کے معاشی امور کی تنظیم بھی ضروری ہوتی ہے، اور یہ دیکھنا حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ معاشی رجحانات غیر متوازن اور نامناسب ہونے پائیں۔ ورنہ اگر باشندوں کی اکثریت مثلاً صنعت و حرفت اور ملکی نظم و نسق میں مشغول ہو جائے اور جانوروں کی پرورش، غلہ کی کاشت اور اشیائے خوردنی کی فراہمی محض چند لوگوں تک محدود رہ جائے تو ان کی دنیوی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں نے کسب معاش کے لیے شراب کشید کرنے اور بت تراشی کا مشغلہ اختیار کر لیا تو عوام الناس میں خواہ مخواہ ان اشیاء کے معروف عام مفاسد پھیل کر رہیں گے اور ان کی اخلاقی زندگی برباد ہونے سے نہ بچ سکے گی۔ لیکن اگر حکومت لوگوں کو اس طرح بے راہ رو نہ ہونے دے اور تمدن کی بہبودی اور ملکی معیشت کے مصالح کی پوری نگہداشت کر کے پیشوں اور حصول رزق کے ذرائع کو لوگوں پر توازن کے ساتھ تقسیم کر دے اور انہیں غیر مفید اور ناجائز وسائل معاش اختیار کرنے سے روک دے تو جمہور کی زندگی نہایت آسائش اور سکون کے ساتھ گذرے گی۔

فساد تمدن زیادہ تر امراء کی نفس پرستیوں کا رہین منت ہوا کرتا ہے۔ وہ زندگی کی سادہ اور حقیقی ضروریات سے گذر کر دنیا کی رنگ رلیوں کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ عام لوگ ان کے ان نفسانی میلانات کو دیکھ کر، اور انہی کو منفعت بخش پا کر انکی

شہوات نفس کی تسکین کے لیے طرح طرح کے طریقے ایجاد کرتے اور اپنی روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ایک گروہ لڑکیوں کو رقص و سرود کی تعلیم دینے کے لیے تربیت گاہ کھولتا ہے۔ دوسرا رنگ برنگ کے قیمتی خوش نما اور منقش لباس فاخرہ تیار کرتا ہے۔ تیسرا حسین و دلفریب زیورات کی صنعت اختیار کر لیتا ہے۔ چوتھا اونچے اونچے خوبصورت ایوانات تعمیر کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے۔ جب کسی بدقسمت ملک کی اکثریت ان وسائل معاش پر جھک پڑتی ہے تو دوسرے اہم تر وسائل معیشت اور مفید تر مشاغل تمدن متروک و مہجور ہو کر رہ جاتے ہیں اور جو تھوڑے بہت بدنصیب ان پیشوں کو اختیار بھی کیے رہتے ہیں ان کی گردن ٹیکسوں کے بھاری بوجھ سے ناقابل برداشت حد تک دبی رہتی ہے، کیونکہ امرا کو ان تمام لوازم عیش و عشرت کی فراہمی کے لیے بے شمار دولت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دولت اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتی جب تک کہ کاشتکاروں، تاجروں اور صناعوں کا پیٹ نہ کاٹا جائے۔ نیز یہ امرا اپنی قربانگاہ نفس کی نذروں سے اتنی فرصت ہی نہیں پاتے کہ حقیقی مصالح ملک و ملت پر ایک حبہ خرچ کر سکیں۔ انجام کار تمدن زہریلے مفاسد کی بھینٹ چڑھنا شروع ہوتا ہے اور یہ فساد بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پوری قوم میں سرایت کر جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور سسک سسک کر جان دے دیتی ہے۔ دنیوی عروج سے یوں ہاتھ دھوتی ہے تو اخروی کا کمال کا پوچھنا ہی کیا۔

یہی وہ مرض ہے جو ظہور اسلام کے وقت عجمی ممالک پر مسلط تھا۔ لہٰذا خدا نے اپنے فرستادہ آخری روحانی طبیب کو اشارہ کیا کہ اس مرض مزمن کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔ اس طبیب حاذق نے مرض کی اچھی طرح تشخیص کر کے ان تمام منافذ کو بند کر دیا جنکے متعلق گمان غالب تھا کہ مرض کے جراثیم انھیں سے گذر کر پیکر انسانیت میں داخل ہوتے ہیں، اور صرف سلبی پہلو پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایجاباً ایک صالح نظام معیشت کی بنا ڈالی جو خالص اصول فطرت پر مبنی تھا۔

معیشت کے فطری اصول و مبادی وہ فطری اصول و مبادی جن پر اسلامی قوانین معیشت کی بنا رکھی گئی ہے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو زمین پر پیدا کر کے ان کی روزی کا سامان بھی اسی زمین میں فراہم کیا، اور سان سب کے لیے زمین کے وسائل سے اکتساب رزق کو مباح کر دیا۔ پھر جب ان کے درمیان خود غرضانہ مسابقت (Competition) اور باہمی تنازع (struggle) کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر فرد یہ انتھک کوشش کرنے لگا کہ دوسروں کو محروم کر کے خود

زیادہ سے زیادہ وسائل معاش پر قابض ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس معضلۂ عام کو دور کرنے کے لیے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص کسی جگہ پر پہلے قابض ہو جائے یا کسی وسیلۂ اکتساب رزق Means of livelihood کو پہلے حاصل کر لے تو اس سے نفع اٹھانے کا حق ترجیح اسی کو حاصل ہے، اور دوسرا شخص اس حق سے اس کو محروم نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ پہلا شخص مبادلہ یا باہمی رضامندی سے اس کو دینے پر آمادہ نہ ہو۔ اسی چیز کا نام "حق ملکیت" ہے اور اس کا ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

من احییٰ ارضا میتۃ فھی لہ — جس شخص نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا، وہی اس زمین کا مالک ہے۔

مردہ زمین سے مراد بیکار پڑی ہوئی زمین ہے۔ اور اس کو زندہ کرنے سے مراد اسے کار آمد بنانا ہے۔

اس ارشاد نبوی کا فلسفہ وہی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی ہر شے کا مالک حقیقی تو خدا ہی ہے۔ حقیقی ملکیت اس کے سوا کسی کو نہیں پہنچتی۔ لیکن جب خدا نے اپنے بندوں کو اپنی اس ملکیت سے عام انتفاع کی اجازت دے دی تو طبعاً ان میں منافست اور منازعت پیدا ہوئی۔ اس کے سدباب کے لیے یہ حکم صادر کیا گیا کہ جس چیز پر ایک شخص پہلے پہل قابض ہو وہ اسی کی ملک سمجھی جائیگی۔ لہٰذا جب کوئی شخص کسی افتادہ اور غیر مزروعہ زمین کو، جو آبادی کے احاطہ سے باہر ہو، سب سے پہلے اور دوسروں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر آباد کرے یا قابل انتفاع بنائے، تو وہ اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے اور اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ زمین ساری کی ساری درحقیقت مسجد یا سرائے کی حیثیت رکھتی ہے جو مصلیوں اور مسافروں کے لیے وقف رہتی ہیں، اور سارے نمازی مسجد کے استعمال میں نیز سارے مسافر سرائے کے استعمال میں علی السواء برابر کے شریک اور مستحق ہیں۔ لیکن جو پہلے آ کر کسی گوشہ کو گھیر لیتا ہے وہ اس خاص جگہ کے استعمال کرنے کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستحق ہو جاتا ہے۔ اور ملک کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک انسان کسی شے سے انتفاع کا حق دوسروں کی نسبت زیادہ رکھتا ہے۔

اس اصول کو رسول اللہ صلعم نے ایک اور ارشاد میں یوں بیان فرمایا ہے:

عادی الارض للہ ورسولہ ثم هی لکم منی — عادی الارض اللہ اور اسکے رسول کی ہے، اس پر تم حق ملکیت تمہیں میرے واسطے سے پہنچتا ہے۔

"عادی الارض" اس زمین کو کہتے ہیں جو کسی وقت میں کسی قوم یا فرد کے قبضہ اور ملک میں رہی ہو مگر اب اس کے مالک ہلاک ہو چکے ہوں اور کوئی اس کی ملکیت کا مدعی باقی نہ رہا ہو۔ اس صورت میں زمین پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یعنی دوبارہ مباح بن جاتی ہے جیسی کہ ابتدا میں تھی۔ اور جبکہ ایسی زمین اسلامی حکومت کے دائرہ اقتدار میں واقع ہو تو حکومت اس کی مالک ہے، اور وہ اسے پھر جن لوگوں کو چاہے استعمال کے لیے دے سکتی ہے۔

(۲) دوسرا فطری اصول معیشت یہ ہے کہ نظام تمدن ایسا ہو جس میں سب افراد جماعت حصہ لیں اور تعاون کریں اور بجز معذور لوگوں کے کوئی شخص تمدن کے کاروبار میں شریک ہونے سے خالی نہ رہے۔

(۳) تیسری اصل یہ ہے کہ جو چیزیں قدرت نے عام فائدے کے لیے بنائی ہیں اور جن کو کارآمد بنانے میں کسی خاص شخص یا گروہ کی محنت و قابلیت کا دخل نہیں ہے ان کو حتی الامکان اپنی اصل (یعنی اباحتِ عام) پر باقی رہنا چاہیے یعنی ہر شخص کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہونا چاہیے۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز ایسی ہو کہ اس سے فائدہ اٹھانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ اسے روکا جائے، تو ایسی چیز کے لیے یہ ضابطہ ہونا چاہیے کہ ہر ہر شخص کو جتنا روکنے کی ضرورت ہو بس وہ اتنا ہی روکے، اور پھر دوسروں کے لیے چھوڑ دے۔ مقصد یہ ہے کہ عام فائدے کی چیزوں میں کسی کو دوسرے پر تنگی کرنے کا اختیار نہ ہونا چاہیے۔ مثلاً گھاس اور چارہ اور جنگل کی لکڑیاں قدرت کا ایک عام انعام ہیں۔ ان کے پیدا ہونے میں کسی انسان کی محنت و کوشش کا دخل نہیں ہے، لہذا ان کو سب کے لیے عام ہونا چاہیے۔ کسی کو یہ حق نہ ہونا چاہیے کہ انہیں اپنے لیے مخصوص کر لے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا حمی الا للہ ورسولہ — چراگاہیں کسی کی ملکیت نہیں وہ اللہ اور رسول کی ہیں۔

رؤسائے جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ زرخیز اور شاداب چراگاہوں کو اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے اور ان سے انتفاع کی عوام کو اجازت نہیں دیتے تھے لیکن چونکہ یہ بات عوام کے حق میں سراسر ظلم اور غضب تھی اور ان کے لیے ضرر اور تنگی کا

باعث تھی اس لیے شریعت عاولہ نے چراگاہوں سے انسانی ملکیت کا حق سرے سے باطل کر دیا۔

ایک مرتبہ آنحضورؐ نے نمک کی ایک کان جو شہر مآرب میں تھی ایک شخص ابیض بن حمال کو دیدی۔ لیکن جب آپکو معلوم ہوا کہ اس کان سے نمک بغیر کسی خاص محنت و مشقت اور بغیر کسی خاص اہتمام و انتظام کے نکلتا ہے تو آپ نے وہ اس سے واپس لے لی اور عام لوگوں کو اس سے استفادہ کا حق دیدیا۔ اس لیے کہ جو شے بغیر محنت و مشقت کے قابل انتفاع ہو، اسے ایک شخص کے لیے مخصوص کر دینا عوام کے حق میں سخت مضرت اور زحمت کا باعث تھا۔

یہی حال پانی کا ہے۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ مہزور نامی ندی (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصفیہ فرمایا تھا کہ جس شخص کا کھیت پہلے پڑے وہ پانی کو روک کر اپنے کھیت کو سیراب کرے اور جب پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اسے چھوڑ دے تاکہ بعد کے کھیت والا اپنی کاشت کو سیراب کر سکے۔ اسی طرح ایکے بعد دیگرے سب پانی لیتے جائیں۔ کسی کو محض اپنے ہی لیے روک رکھنے کا اختیار نہیں۔ یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ پانی جب مباح الاصل چیز تھی تو آپ نے کیوں ایک کو استعمال کا حق پہلے دیا اور دوسرے کو بعد میں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ جب کسی مباح چیز میں لوگوں کے حقوق مساوی ہوں تو انتظام عام کے لیے ضروری ہے کہ اس سے استفادہ کرنے میں ترتیب کا لحاظ رکھا جائے اور جس کا نمبر پہلے آئے اسے پہلے انتفاع کی اجازت دی جائے اور جس کا نمبر بعد میں ہو اسے بعد میں، ورنہ باہمی مخاصمت پیدا ہو کر سخت بدنظمی کی باعث ہوگی۔

(۴) لوگوں کا معاشی تعاون کے ذریعہ اپنے مال اور رزق کی ترقی میں سعی کرنا تمدن کی بقا اور رفلاح کیلیے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کرنا، سعی و کوشش کر کے لوگوں کا مال بکوانا، اور رائج الوقت چیزوں کو پہلے سے بہتر بنانا یا اپنی قابلیت سے کوئی نئی چیز نکالنا، یہ سب قابل قدر کام ہیں جن پر بڑی حد تک لوگوں کی خوشحالی کا مدار ہے۔ لیکن جب ترقی اموال کے ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں جو تعاون کی روح سے خالی ہوں تو اصول فطرت کے لحاظ سے وہ بالکل ناجائز اور حکمتِ مدنیت کے حق میں سم قاتل ہونگے۔ جیسے قمار بازی اور سٹہ بازی وغیرہ اسی طرح اکتسابِ رزق کے جن ذرائع میں تعاون کی ظاہری شکل تو موجود ہو مگر تہ میں تعاون کی موت چھپی ہوئی ہو وہ بھی حکمت

مدنیت کے خلاف ہیں مثلاً سودی کاروبار جس میں گو بظاہر مقروض معاملہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے لیکن دراصل یہ رضامندی زبردستی کی ہوتی ہے اور وہ بیچارہ اپنے افلاس کی خوفناکی سے گلوگرفتہ ہو کر اپنے لیے ایسی شرائط کے التزام کو تسلیم کرتا ہے جسے وہ اکثر اوقات پورا بھی نہیں کر سکتا۔ اکتساب مال کے یہ طریقے تمدن کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں اور یہیں سے وہ ملعون زر پرستی پیدا ہوتی ہے جو مدنیت کی حکمتوں اور برکتوں کا گلا گھونٹ کر عوام الناس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتی ہے۔

اہم ترین مفسدات تمدن کا کلی انسداد یہی وہ فطری اصول و مبادی ہیں جن پر اسلام کا معاشی قانون مبنی ہے۔ ہر وہ ذریعۂ معاش جو ان اصولوں کی روح سے بیگانہ یا ان کا مخالف ہو، حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ تجارت کی بے شمار اقسام اسی زاویۂ نظر کی وجہ سے مردود اور ناقابلِ مواخذہ ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان اقسام میں سب سے مذموم اور مضرت رساں وہ قسم ہے جسے ربوٰ کہا جاتا ہے۔ اہل جاہلیت بیع و ربوٰ میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے (انما البیع مثل الربوٰ) لیکن اسلام نے بیع کو حلال اور ربوٰ کو حرام کیا، کیونکہ بیع میں تمدن کے لیے زندگی ہے اور ربوٰ میں تمدن کی موت ہے۔ اگرچہ بظاہر ربوٰ بھی بیع کی طرح تراضی طرفین سے ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس میں تراضی نہیں ہوتی۔ سود پر قرض لینے والا اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر دستاویز پر دستخط کرتا ہے، ورنہ وہ پاگل نہیں ہوتا کہ سو روپے کے سوا سو دینے کا برضا و رغبت اقرار کرے۔ اس نقص کے علاوہ سودی معاملات جن خطرات اور مناقشات کا فتح باب کرتے ہیں ان سے ہر خاص و عام اچھی طرح واقف ہے جاہلیت میں اسی سود کی بدولت خونریز لڑائیاں تک ہوئی ہیں۔

ربوٰ کی طرح قمار بھی تمدن کے لیے مہلک اور غارت گر ہے۔ تعاون اور تراضی دونوں کی روح اس میں مفقود ہوتی ہے اور ان کے بجائے طمع، حرص، خود غرضی، زر پرستی، جہل اور تمنائے باطل کے رذیل محرکات جو تمدن کے مصالح اور دنیا بسر کرنے کے پسندیدہ اطوار اور ضروری وسائل کو تاراج کر دیتے ہیں، اسکی تہ میں کام کرتے ہیں، اور پھر جھگڑے لڑائی اور قطع رحمی کے جو لازمی نتائج معرض وجود میں آتے ہیں ان کے بیان کرنے کی شاید کوئی حاجت نہ ہو گی۔

کسب معاش کے لیے ان دونوں چیزوں کا دروازہ اچھی طرح بند کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ لین دین کی جن صورتوں میں سود

یا جوئے کا خفیف سا شبہ بھی موجود ہو اُن سے بھی حکماً روک دیا گیا ہے۔ مثلاً بیع مزابنہ[1]، بیع محاقلہ[2]، بیع ملامسہ[3]، بیع منابذہ[4]، بیع حصاۃ[5] وغیرہ۔ نیز خشک کھجوروں کی بیع تر کھجوروں کے ساتھ اور کھجوروں کے ایسے ڈھیر کی بیع جس کا پیمانہ معلوم و متعین نہ ہو۔ ان تمام بیوع کو ناجائز کر دیا گیا کیونکہ ان کے اندر جوے کی روح موجود تھی۔

خرید و فروخت کے قوانین شریعت میں کاروبار کے جن طریقوں کی ممانعت کی گئی ہے، ان پر جب ہم مجموعی نظر ڈالتے ہیں تو اصولی حیثیت سے ہم کو حسب ذیل اسباب ممانعت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) ایسی چیزوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے جو بجائے خود اسلامی قانون میں حرام ہیں اور جن کا استعمال عموماً معصیت ہی کے کاموں میں ہوتا ہے۔ مثلاً شراب، طنبور اور مجسّمے وغیرہ کیونکہ ان اشیاء کی خرید و فروخت کی رسم جاری کر دینے کا لازمی انجام یہی ہے — اگر ارادی طور پر نہیں تو کم سے کم بلا ارادہ ہی سہی — کہ لوگوں کو اُن معاصی کی ترغیب دی جائے جو ان کے استعمال کا ناگزیر نتیجہ ہیں۔ بخلاف اس کے اگر سرے سے ان چیزوں کا لین دین ہی ممنوع ٹھیرا دیا جائے تو گویا بالواسطہ ان مفاسد کا قلع قمع کر دیا گیا اور لوگوں کو ان سے بچنے کی سہولت بہم پہنچا دی گئی۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی بیع و شراء کو حرام کر دیا ہے"۔ ایک اور ارشاد میں آپ نے غیر مبہم الفاظ میں اس قاعدۂ کلیہ کو یوں بیان فرمایا ہے:-

ان اللہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ — جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔

---

[1] درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کی ایک خاص مقدار کے عوض بیچنا۔

[2] گیہوں کی فصل کو گیہوں کے عوض فروخت کرنا۔

[3] بیع ملامسہ کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کہتا تھا اگر میں تیرا کپڑا چھو دوں تو فلاں چیز کی بیع میرے نام ہوگئی۔

[4] یعنی مشتری آنکھ بند کر کے اپنا کپڑا پھینکے اور کہے کہ جس چیز یا گلہ میں سے جس جانور پر جا کر پڑے وہ اتنے دام میں میرا ہو جائیگا۔

[5] بیع حصاۃ بھی بیع منابذہ کی طرح ہوتی تھی فرق صرف یہ تھا کہ اس میں کپڑے کے بجائے کنکری پھینکتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہر البغی خبیث" (زانیہ کی اجرت یعنی زنا کی فیس حرام ہے) اور یہی حکم آپ نے کاہن کی اجرت اور مغنیہ کی کمائی کے بارے میں بھی دیا ہے۔ کیونکہ ان تمام اجرتوں میں وہی علت موجود ہے یعنی ارتکاب معصیت کی ترغیب و ترویج۔ شراب کے بارے میں تو آنحضور صلعم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ "شراب بنانے والے، شراب پینے والے، شراب ڈھونے والے اور شراب رکھنے والے سب پر لعنت ہو"۔ کیونکہ ارتکاب معصیت جس طرح معصیت ہے، ارتکاب معصیت میں امداد کرنا اور سہولت بہم پہنچانا بھی معصیت ہے۔

(۲) نجاست مثلاً مردار، خون، جانوروں کا فضلہ اور دیگر گندی چیزیں نہایت مکروہ اور شیاطین سے بہت مشابہ پیدا کرنے والی ہیں، بخلاف اس کے اسلام کی فطرت لطافت اور پاکیزگی چاہتی ہے، اور پاکیزگی کا قائم کرنا نبی آخر الزماں کے مقاصد بعثت میں سے ہے اسلیے شرع نے تمام نجاستوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کو ذریعۂ معاش بنانے سے روک دیا ہے تاکہ انسان انکا خوگر نہ ہونے پائے چنانچہ مردار کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا گیا، حجامت (پچھنے لگانے) کی اجرت لینے سے منع کر دیا گیا اور نر جانوروں کو مادہ سے جفتی کھانے کے لیے کرایہ پر دینے کو ناجائز ٹھیرا دیا گیا۔ کیونکہ ان ذرائع سے جو روزی میسر ہوتی ہے وہ نجاست کے دروازہ سے گذر کر آتی ہے۔

(۳) ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جو نزاع (Litigation) کا دروازہ فطرۃً کھولتے ہوں، مثلاً یہ کہ عوضین (قیمت اور مال) کا تعین اور تشخص نہ ہو۔ یا بیع در بیع[1] کی شکل ہو۔ یا خریدار نے مال کو نہ دیکھا ہو اور بغیر دیکھے ہوئے یہ یقین نہ کیا جا سکتا ہو کہ جو مال اسے دیا جائیگا وہ اس پر راضی بھی ہوگا یا نہیں۔ یا بیع میں کوئی ایسی شرط[2] ہو جو بعد میں چل کر قیل و قال کی موجب ہو۔

اسی اصول پر شارع علیہ السلام نے بیع مضامین، (ان آئندہ پیدا ہونے والے بچوں کی بیع جو ابھی نر جانور کی پشت میں ہیں) اور بیع ملاقیح (جو بچے ابھی بطن مادر میں ہیں) اور بیع حبل الحبلہ (جس بچے کی ماں ہی ابھی رحم

---

[1] مثلاً خریدار بائع سے ایک چیز خریدتے وقت یہ قید لگا دے کہ میں اس چیز کو اتنے روپوں میں خریدتا ہوں بشرطیکہ فلاں چیز تم مجھے اتنے روپے میں دو۔

[2] مثلاً بیع مشروط کی ایک صورت یہ ہے کہ بائع اپنی چیز بیچتے وقت یہ شرط لگا دے کہ اگر مشتری کبھی اسے بیچنے کا قصد کرے تو میں لینے کا زیادہ حقدار ہونگا۔

مادر میں ہو) سے[1] روکا ہے، کیونکہ شے فروختنی کا ابھی وجود ہی نہیں تو اس کا تعین کس طرح ممکن ہے - اسی طرح ایسے معاملہ کو ناجائز کر دیا گیا ہے جس میں اصل چیز اور اسکی قیمت دونوں غیر موجود اور موخر ہوں - استثنار غیر معین کا بھی یہی حکم ہے - اس بیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع معاملہ کرتے وقت مثلاً یہ کہے کہ اتنے روپیوں میں میں تھوڑا سا چھوڑ کر اپنا یہ دس من جو تمہیں دیدونگا - اس "تھوڑے سے" کا عدم تعین فریقین کے درمیان وجہ نزاع بن سکتا ہے - لیکن اس کلیہ کو بہت زیادہ عام نہیں کیا جا سکتا یعنی ہر جزوی امر کا عدم تعین بیع کو فاسد نہیں کر دیتا کیونکہ عادۃً اور رواجاً معاملات بیع کے متعلق بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جنکی توضیح اور تعیین نہیں کی جاتی اور نہ کی جا سکتی ہے - مفسد بیع صرف وہ عدم تعین ہے جو موجب نزاع بن سکے -

ایسے معاملات بھی اسی بنا پر ناجائز ہیں جن میں معاملہ تو ایک چیز کا ہو رہا ہو مگر دراصل وہ مقصود بالذات نہ ہو بلکہ اس کے ضمن میں در پردہ کوئی اور ہی معاملہ پیش نظر ہو - ایسے معاملات سخت خصومت انگیز اور ایسے پیچیدہ ہو جاتے ہیں جن کا کوئی حل ملنا دشوار ہو جاتا ہے - کیونکہ وہ بیع مقصود بالذات تو ہوتی نہیں، اسے محض ایک دوسرے مقصد کے لیے بہانہ بنایا جاتا ہے، اور ایک فریق جب دیکھتا ہے کہ جو اصل مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوتا تو وہ معاملہ بیع کی تکمیل سے جی چراتا ہے اور دوسرا فریق طے شدہ بات کو پورا کرنے پر اصرار کرتا ہے - اسی بنا پر شارع نے ایسے معاملات کی سرے سے ممانعت فرمادی ہے - رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ :

لا یحل بیع و سلف ولا شرطان فی بیع ایک ہی ساتھ بیع اور بیع سلف دونوں کا معاملہ کرنا یا کسی معاملہ بیع میں دو شرطوں کی قید لگانا جائز نہیں -

بیع سلف کے معنی ہیں کسی چیز کی جو آیندہ تیار ہونے والی ہو پیشگی نقد روپیہ دے کر بیع کرالینا - اور دو شرطوں

[1] بیع کے یہ سارے طریقے زمانہ جاہلیت میں رائج تھے - کوئی اصیل و نجیب اونٹ کو دیکھتا تو قبل اس کے کہ اس کے نطفہ سے کوئی بچہ رحم مادر میں وجود پذیر ہو، مالک سے یہ معاملہ کر لیتا کہ اس سے جو بچہ ہوگا اتنی قیمت میں میں لے لونگا اسی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے سے قبل ہی بچے کی خرید و فروخت شروع ہو جاتی تھی اور بسا اوقات ماں بھی عالم وجود میں آئی نہ ہوتی -

کا مفہوم یہ ہے کہ بائع ایک تو اس چیز کے حقوق بیع اپنے لیے مخصوص کرالے، اور دوسرے کوئی اور خارجی شرط لگا دے مثلاً اگر اس چیز کو تمہیں کبھی بیچنا منظور ہو تو میرے ہی ہاتھ بیچنا، نیز میں اس شرط کے ساتھ تمہیں یہ چیز بیچ رہا ہوں کہ اپنی فلاں چیز مجھے ہبہ کر دو یا فلاں کے یہاں میری سفارش کر دو۔

اسی قاعدہ پر ان معاملات کی بھی ممانعت کی گئی ہے جن میں عوضین میں سے کسی ایک کا اختیار سپردگی معاملہ کرنے والے کے ہاتھ میں نہ ہو، مثلاً ثمن (قیمت) خریدار کے قبضہ میں نہ ہو، یا چیز بائع کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ فی الحال عملاً دوسرے کے اختیار میں ہو اور اس کا محض نظری حق اس شے پر پہنچتا ہو، یا ابھی محل نزاع ہو۔ ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک قضیہ کے اندر دوسرا قضیہ پیدا ہو جائے یا فریق مخالف کو دھوکہ اور نقصان پہنچ جائے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب تک کوئی چیز تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں اطمینان نہ کرنا چاہیے کہ وہ تمہیں مل ہی جائیگی۔ لہذا اگر ان حالات میں بیع منعقد ہو گئی اور مشتری نے قبضہ کا مطالبہ کر دیا تو بائع کے لیے اس کے سوا کیا چارہ کار ہو گا کہ ادھر ادھر دوڑتا پھرے اور اس طرح مناقشات کی گرم بازاری کا سامان پیدا کرے۔ اسی مفسدہ کا قلع قمع کرنے کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو چیز تمہارے اپنے ہاتھوں میں نہ ہو اسکی بیع نہ کرو" دوسرے ارشاد میں ہے کہ "جو کوئی گیہوں خریدے اس وقت تک بیع نہ کرے جب تک کہ اس کو اپنے قبضہ میں نہیں کر لیتا"۔ یہ حکم صرف گیہوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ نیز آپ نے ایسی شے کی بیع سے منع کر دیا ہے جس کے متعلق بائع کو یقین کامل نہ ہو کہ آیا وہ میرے ہاں موجود بھی ہے یا نہیں یا میں اسے پا سکتا ہوں یا نہیں۔

اسی طرح شارع نے چن چن کر ان معاملات کو حرام کیا ہے جو عموماً نزاعیں پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ مثلاً درخت کے کچے پھلوں کی بیع کا عرب میں عام رواج تھا۔ اس کے متعلق حضرت زید بن ثابت رضؓ فرماتے ہیں کہ لوگ باہم ایسی خرید و فروخت کرتے تھے لیکن جب آفاتِ سماوی پھلوں کو نقصان پہنچا دیتیں تو آپس میں لڑائی تکرار کرنے لگتے۔ مشتری قیمت کی ادائیگی کے خلاف حجت پیش کرتا کہ پھل پکنے سے قبل ہی خراب اور سڑ گل گئے۔ اس متوقع نزاع کے انسداد کے لیے آنحضرت صلعم نے ممانعت فرما دی کہ "درخت پر لگے ہوئے پھل اس وقت تک نہ بیچے جائیں جب تک کہ وہ قابل

انتفاع نہ ہو جائیں" الا یہ کہ مشتری اسی وقت پھلوں کو توڑ لے۔ اس ممانعت کے بعد آپ نے فرمایا:

ارأیت اذا منع اللہ الثمرۃ بما یاخذ	سوچو کہ جب اللہ تعالیٰ نے پھلوں کو نیست و نابود
احدکم مال اخیہ	کر دیا تو پھر کوئی کس شے کے عوض اپنے بھائی کا مال

(پھلوں کی قیمت) لیتا ہے؟

یعنی اس طرح کی بیع میں ایک قسم کا دھوکا پوشیدہ رہتا ہے، کیونکہ پھلوں کے ضائع ہو جانے کا خطرہ بہر حال موجود ہے۔ اگر وہ واقعی ضائع ہو جائیں تو خریدار غریب کو قیمت تو ادا کرنی پڑے گی اور اس کے عوض اسے کچھ بھی ہاتھ نہ آئیگا۔

(۴) خرید و فروخت کے معاملات میں مسابقت (Competition) کی ایسی صورتوں کو روکا گیا ہے جن سے لوگوں کے درمیان حسد اور مخالفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور جن کا نتیجہ یہ ہو کہ کچھ لوگ پیش قدمی کر کے دوسرے لوگوں کو اکتساب رزق سے محروم کر دیں۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لا تلقوا الرکبان لبیع و لا یبیع	آبادی سے نکل کر تجاروں کو راستے میں نہ جا پکڑو اور
بعضکم علی بیع بعض و لا یسم الرجل	ایک شخص دوسرے شخص کی بیع میں مداخلت کر کے اپنی بیع
علی سوم اخیہ و لا تناجشوا و لا یبیع حاضر لباد	نہ کرے۔ اور ایک شخص دوسرے کی بولی پر بولی نہ دے

اور محض دوسروں کو خریداری سے روکنے کے لیے بولی نہ بڑھائی جائے۔ اور شہر والا گاؤں والے کی طرف سے بیع کا مختار نہ بنے۔

ان ہدایات میں سے موخر الذکر ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ گاؤں والوں کو براہ راست شہر میں آ کر لوگوں کے ہاتھ مال فروخت کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ آڑھتیے جو اُن کا مال لے کر نسبتہً زیادہ قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں یہ عام باشندوں کے لیے تنگی کا موجب ہے، اور اس سے خود گاؤں والوں کا بھی نقصان ہے، کیونکہ وہ زیادہ فائدے کا لالچ کر کے آڑھتیے کے جال میں پھنس جاتے ہیں، اور پھر اس کے پھندے سے اُن کا نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ نیز یہ کاروبار تمدن کی ترقی کے لیے بھی مضر ہے کیونکہ

گاؤں والوں کا بار بار مال لے کر آنا اور تھوڑا کمانا اس سے بہتر ہے کہ وہ زیادہ نفع کی خاطر مال کو روک کر رکھیں۔

(۵) ایسے طریقوں سے نفع کمانے کی کوشش بھی حرام کر دی گئی ہے جو عامۃ الناس کے لیے موجب نقصان و تکلیف ہوں، مثلاً غلے کو قیمتیں گراں کرنے کی خاطر جمع کرنا اور روک رکھنا کہ یہ خود غرضانہ نفع طلبی ہے اور اس سے تمدن میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من احتکر فھو خاطئ (جس نے احتکار کیا وہ گناہ گار ہے)۔ اور الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (کسب کرنے والے کو رزق ملتا ہے اور احتکار کرنے والے کے حصہ میں لعنت آتی ہے)

(۶) ایسے تمام معاملات ممنوع ہیں جن میں ایک شخص دوسرے شخص کو دھوکہ دے کر نفع کمانے کی کوشش کرے، مثلاً اپنے مال کا عیب چھپائے یا اس کا مال جتنا اچھا نہیں ہے اتنا ظاہر کرے۔ اسی سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ

لا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعھا	اونٹنی یا بکری کو بیچتے وقت اس کے تھنوں میں دودھ
بعد ذلک فھو بخیر النظرین بعد ان یحلبھا	جمع کر کے نہ رکھو کہ خریدار اس کو زیادہ دودھ والی سمجھے۔
ان رضیھا امسکھا وان سخطھا ردھا و	اگر ایسا کیا جائے تو خریدار کو اختیار ہے کہ تین دن رکھ کر اسے
صاعا من تمر و یروی صاعا من طعام	دیکھے اور پسند نہ آئے تو واپس کر دے۔ لیکن واپس
لا سمراء	کرتے وقت وہ ساتھ ہی ساڑھے تین سیر کھجوریں بھی اس

دودھ کے عوض دیدے جو اس نے نچوڑا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ساڑھے تین سیر غلہ دے، لیکن وہ زیادہ قیمتی غلہ نہ ہو۔ مثلاً شامی گیہوں (کہ وہ حجاز میں زیادہ قیمتی ہوتا تھا)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر مال کو اچھا بنانے کی بھی نہی فرمائی ہے۔ ایک شخص نے کھجوروں کو پانی سے تر کیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اس سے فرمایا۔ افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس؟ من غش فلیس منی (کیا تو نے اس کو اوپر سے تر نہیں کیا ہے کہ لوگ دیکھ کر دھوکا کھائیں؟ جو شخص دھوکہ بازی کرے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں)

(۷) ایسی چیزوں کی بیع بھی حرام ہے جن کو اللہ نے سب انسانوں کے لیے مباح کیا ہے۔ مثلاً جو پانی قدرتی طور پر بہ رہا ہو اور خود لوگوں تک پہنچنے والا ہو اسکو کوئی شخص روک لے اور قیمت لے کر دوسروں کے لیے چھوڑے۔ یہ اللہ کے مال میں بغیر کسی حق کے تصرف کرنا ہے اور اس میں بندگان خدا کی ضرر رسانی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فضل الماء (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو قیمتہً دینے کی ممانعت فرمائی ہے)۔ اسی طرح قدرتی چراگاہ میں جانوروں کے چرنے پر اجرت عائد کرنا بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو شخص ایسا کریگا، اللہ بھی اس سے کہیگا کہ میں تجھ کو اپنے فضل سے اسی طرح محروم کرتا ہوں جس طرح تونے لوگوں کو اس فضل سے محروم کیا جس کے بنانے میں تیرا کوئی حصہ نہ تھا" ایک اور حدیث میں ہے کہ "پانی اور چارہ اور آگ، یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں سب مسلمان شریک ہیں"

(باقی)

رسالہ "الادب" کانپور

یہ ماہوار رسالہ ہندوستان بھر میں اپنی نوعیت کا صرف ایک ہی رسالہ ہے۔ جو اکابر علمائے ہند و مشاہیر اہل علم و قلم کی سرپرستی میں پابندی اوقات سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں اعلیٰ ترین معیاری مضامین اور صحیح تنقیدی اصولوں کے ماتحت مختلف مسائل پر بحث و نظر و نیز مختلف ملکی و غیر ملکی ادبیات کے تراجم اردو زبان میں پیش کیے جاتے ہیں۔

"الادب" ہی ایک ایسا رسالہ ہے جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں ادبی چاشنی کے ساتھ علمائے امت کے بیش بہا اور گراں قدر مضامین کے ذریعہ اس پرفتن زمانہ میں مسلمانوں کی متاع ایمان کو بچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ رسالہ ادب کا مطالعہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لیے رشد و ہدایت کا باعث اور فلاح و کامرانی کا ضامن ہوگا۔ قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنے۔ طلبا و آئمہ مساجد سے ایک روپیہ آٹھ آنے۔ نمونہ کیلیے ۲ کے ٹکٹ ارسال کریں۔

المشتھر مہتمم رسالہ "الادب" کانپور